4

# مرقاۃ المفاتیح

شرح اردو

# مشکوٰۃ المصابیح

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم



مکتبہ رحمانیہ

# مرقاۃ المفاتیح اردو

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری ھجری ۱۰۱۴

شرح

# مشکوٰۃ المصابیح

للامام العلامۃ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی ۷۴۱

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

جلد چہارم



مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: ........................ مرقاۃ المفاتیح اردو (جلد چہارم)

مترجم: ........................ مولانا راؤ محمد ندیم

ناشر: ........................ مکتبہ رحمانیہ

مطبع: ........................ لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

**استدعا**

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ان شاءاللہ ازالہ کیا جائے گا۔نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکرگزار ہوں گے۔ (ادارہ)

انہوں نے تکبیر اولیٰ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے سورۃ فاتحہ پڑھی تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔اس کو امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔

**تشریح:** یعنی میں نے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے اپنی آواز کو بلند کیا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔

قوله: لتعلموا أنها سنة: طیبیؒ کہتے ہیں: یعنی یہ بدعت نہیں ہے اشرفؒ فرماتے ہیں: ضمیر مؤنث قراءتِ فاتحہ کی طرف راجع ہے۔اور ''سنت'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ یہاں سنت ''بدعت'' کے مقابل ہے یعنی یہ مروی طریقہ ہے یہ تاویل امام شافعیؒ اور احمدؒ کے مذہب پر ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واجب نہیں۔یعنی فاتحہ کو اگر ثنا کی جگہ پڑھا جائے تو سنت کے قائم مقام ہو جائے گی۔

ابن ہمام کی شرح میں ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھی جائے' الّا یہ کہ اس کو ثناء کی نیت کے ساتھ پڑھا جائے' رسول اللہ سے قراءت فاتحہ ثابت نہیں ہے۔موطا مالک میں نافع عن ابن عمرؓ روایت ہے: كان لايقرؤها في الصلاة على الجنازة۔کہ ''وہ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ نہیں پڑھا کرتے تھے''۔اس سے اس قول کے ضعیف ہونے کا علم ہوتا ہے کہ ''یہ مروی طریقہ ہے'' اور جہاں تک بات ہے ابوامامہ کی حدیث کی جو شیخین کی شرط پر ہے: السنة في الصلاة على الجنازة أن يقرأ في التكبيرة الاولى بأم القرآن مخافة کہ آپؐ نے فرمایا: نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے'' سو اس کی تاویل گزر چکی ہے اور یہ قول صحابی کے قول ''من السنة كذا'' کے قبیل سے نہیں ہے کہ یہ مرفوع کے حکم میں ہے جیسا کہ ابن حجر کو وہم ہوا ہے۔آپ اس پر غور کریں۔

**تخریج:** امام میرکؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد، ترمذی' نسائی اور شافعی نے بھی روایت کیا ہے۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنازے کے موقع پر جامع دُعا

۱۲۵۵:وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتُ۔ [رواه مسلم]

اخرجه مسلم في صحيحه ٦٦٢/٢ حديث رقم (٨٥-٩٦٣)۔ والنسائي في السنن ٨٣/٤ حديث رقم ١٩٨٣۔ وابن ماجه ٤٨١/١ حديث رقم ١٥٠٠۔

**ترجمہ:** حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی۔پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد کر لی۔یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسری تکبیر کے بعد فرماتے تھے اے اللہ اس کے گناہوں کو بخش دے۔اس کی

نیکیوں کو قبول کر اور اس کو مکروہات سے نجات عطا فرما اور اس کی تقصیرات کو معاف فرما اور جنت میں اس کی مہمانی بہتر کر دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے اس کو پانی' برف اور اولے کے ساتھ پاک اور اس کو گناہوں سے پاک کر دے جیسا کہ تو سفید کپڑے کو میل سے صاف کرتا ہے اور دنیا کے گھر سے بہتر گھر بدلہ میں اور بہتر اہل عطا فرما دنیا کے اہل والوں سے یعنی (خادموں) سے اور دنیا کی بیوی سے بہتر بیوی عنایت فرما اور اس کو جنت میں داخل کر دے (ابتداً) اور اس کو عذاب قبر سے پناہ دے یا فرمایا دوزخ کے عذاب سے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کو قبر کے فتنہ سے بچا یعنی فرشتوں کے جواب میں پریشانی ہے اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے جب میں نے یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میّت کے بارے میں سنی تو مجھے رشک آنے لگا۔ یہاں تک کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں اس مرنے والے کی جگہ میں ہوتا۔ اس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

**تشریح:** **قوله: قال: صلى رسول الله ﷺ على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول:** یہ جملہ صرف تاکید کے لیے ہے یا بیان کے لیے ہے کہ انہوں نے یہ دعا آپ سے سن کر یاد کی ہے' آپؐ کے حوالہ سے کسی اور سے سن کر یاد نہیں کی۔ یہ ''فقہ'' کے اس اصول کے منافی نہیں کہ سری قراءت مندوب ہے۔ کیونکہ یہاں قراءت صرف اور صرف تعلیم کی غرض سے تھی۔

**قوله: اللهم اغفرله ---- واكرم نزله: اللهم اغفرله:** اس کی سیئات کو مٹا کر اس کو بخش دے۔

**وارحمه:** طاعات کو قبول فرما کر' یہ ابن حجر کے اس قول سے اَحسن ہے کہ یہ تاکید کے لیے ہے یا اعم ہے۔

**عافه:** ''معافات'' سے ہے اور ''ھاء'' ضمیر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ھائے سکتہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ناپسندیدہ چیزوں سے نجات دے دے۔ امام طیبی کہتے ہیں: یعنی اس کو عذاب اور آزمائشوں سے محفوظ رکھ۔

**واعف عنه:** یعنی اس سے تقصیرات (کوتاہیاں سرزد ہوئیں ہیں انہیں معاف فرما اور ابن حجرؒ نے عجیب بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں ''عافہ'' سے مراد یہ ہے کہ اس کو ہر تکلیف دینے والی چیز سے محفوظ رکھ اور ''**واعف عنه**'' تاکید کے لیے ہے یا اخص ہے۔ یعنی اس کو تمام گناہوں کے خطرات سے محفوظ رکھ اور نہھایہ میں ہے: **العفو' العافية** اور **المعافاة** قریب المعنی ہیں۔ ''عفو'' سے مراد گناہوں کو مٹانا'' ''عافیہ'' سے مراد اس کو بیماریوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھنا اور ''**معافات**'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے اور لوگوں کو تجھ سے عافیت میں رکھے' اور ان کی تکلیف دہ چیزوں سے تجھ کو پھیر دے اور تیری تکلیف دہ چیزوں کو ان سے پھیر دے۔ (یہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے۔)

یہ بات مخفی نہیں کہ ''عافیت'' اور ''معافاۃ'' کا جو معنی ذکر کیا گیا ہے وہ میت کے لیے غیر مناسب ہے' بلکہ عافیت کی جو تعریف کی ہے وہ زندہ کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ آپ اور آپ کے پیروکاروں نے عافیت کی دعا کی وہ لوگ اسقام و آزمائشوں سے محفوظ نہیں رہے' بلکہ سب سے سخت آزمائش انبیاء کی ہوئی ہے پھر ان کی جو ان کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں' اور عربوں کے ہاں اسقام سے سلامتی بڑے بڑے عیوب میں سے تھا۔ پس ضروری ہے کہ ''اَسقام'' ''سيئ الاسقام'' جیسے برص جنون اور جذام وغیرہ پر محمولؒ کیا جائے' یا ''عافیت'' سے مراد یہ کہ وہ مصیبتوں میں جزع فزع نہ کرے' اور صبر و شکر کرے اور اللہ کی

رضا پر راضی رہے۔اور اُس پر جو احکام واجب ہیں ان کو بجالائے۔ **نزله:** ''زاء'' کے ضمہ اور سکون کے ساتھ' اس کا رزق مراد ہے اور اصل میں وہ کھانا جو مہمان کی تشریف آوری پر پیش کیا جاتا ہے۔

**قوله: ووسع مدخله: مدخله:** میم کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مراد اس کی قبر ہے۔میرک فرماتے ہیں: یہ میم کے فتحہ کے ساتھ ہے' شیوخ کی زبانوں سے اس طرح سنا ہے اور ہمارے اصل سماع میں بھی اسی طرح ضبط ہے اور شیخ جزری نے ''مفتاح الحصن'' میں میم کے ضمہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صحیح ہیں۔کیونکہ اس کا معنی ہے ''داخل ہونے کی جگہ'' یا ''داخل کرنے کی جگہ'' شیخ نے ضمہ کو اختیار کیا ہے کیونکہ جمہور قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں: **وند خلكم مد خلا كريما۔** امام نافع فتحہ میں منفرد ہیں۔معنی کے لحاظ سے ضمہ زیادہ مناسب ہے' چونکہ اس کا داخل ہونا بنفسہ نہیں بلکہ کوئی دوسرا ہی اُسے جنت میں داخل کرے گا۔

**قوله: واغسبله بالماء والثلج والبرد:** ''باء'' اور ''راء'' کے فتحہ کے ساتھ ذریعہ اس طرح مغفرت انواع کے پاک کردے جس طرح انواع مطہرات کی یہ اشیاء میل کچیل دور کرتی ہیں۔

**نقه:** ھائے ضمیر ہے' یا ھائے سکتہ ہے۔

**من الخطايا:** پہلے کی تاکید ہے۔

**الدّنس:** دال اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے۔''معقول شئی'' کو تشبیہ محسوس چیز کے ساتھ دی ہے' یہ ماقبل کی تاکید ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے یا اُن دونوں میں سے ایک سے مراد صغائر ہیں اور دوسرے سے مراد کبائر ہیں۔یا ان دونوں میں سے ایک سے مراد اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسرے سے مراد بندوں کا حق ہے۔

**قوله: وابدله دارا خير...... خيرا من زوجه:** یعنی حوریں اور دنیا کی عورتیں بھی عطا فرما پس یہ اشکال نہ کیا جائے کہ دنیا کی عورتیں اپنی نمازوں اور اپنے روزوں کی وجہ سے جنت میں حوروں سے افضل ہوں گی جیسا کہ حدیث میں ہے۔

رہا ابن حجر کا قول: ''خیرًا'' یہ اپنے باب یعنی افعل التفضیل کے باب سے نہیں ہے۔کیونکہ دنیا میں آخرت کی نسبت کچھ بھی خیر نہیں ہے' سو ابن حجر کا یہ کلام خود اپنے باب سے نہیں ہے۔کیونکہ کلام نسبت حقیقی کے بارے میں ہے نہ نسبت اضافی کے بارے ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [**والآخرة خير و أبقى**][الاعلی۔۱۷] اور دوسری جگہ فرمایا: **و قال عزوجل والآخرة خير لمن اتقى**][النساء۔۷۷]

**واعذه من عذاب القبرأ ومن عذب النار:** ظاہر یہ ہے کہ یہ راوی کا شک ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''أو'' بمعنی ''واؤ'' کے ہو۔اس کی تائید اس نسخہ سے ہوتی ہے جس میں واؤ ہے۔

**قوله: وفي رواية وقه فتنة القبرو عذاب النار:**

**قه:** ہائے ضمیر کے ساتھ ہے' یا ہائے سکتہ ہے۔

**فتنة القبر:** یعنی فرشتوں کے جواب میں حیران و سرگردان ہونے سے بچا' کہ جو تحیر عذاب قبر کی طرف دھکیلنے والا ہے۔

**قوله حتى تمنيت أن أكون أنا ذلك الميت:**

عباس کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی انہوں نے فاتحۃ الکتاب کی قراءت کی اور کہا کہ یہ سنت ہے'' پس حدیث کے مرفوع کی نسبت ابوداؤد کی طرف صحیح نہیں ہے۔

## میت کے لئے دُعا کرنے کا حکم

۱۶۷۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ ۔ [رواه ابو داود وابن ماجة]

اخرجه ابو داؤد فی السنن ۵۳۸/۳ حدیث رقم ۳۱۹۹۔ وابن ماجه ۴۸۰/۱ حدیث رقم ۱۴۹۷۔

**ترجمہ**: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت میّت پر نماز پڑھو تو خالص اس کے لیے دعا کرو۔ یعنی کسی کے دکھاوے کے لیے نہ ہو اور خالصتاً اللہ کی خوشنودی مقصود ہو اور دل سے دعا کرو۔ اس کو ابو داؤدؒ اور ابن ماجہ نے نقل کیا۔

**تشریح**: یعنی نماز جنازہ میں میت کے لیے اعتقاد اور اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

ممکن ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اس کے لئے اپنے دل میں خلوص کے ساتھ کرو' اگر چہ لفظوں میں عام ہو' صاحب ازھار نے عجیب بات کہی ہے جیسا کہ میرک نے ان سے نقل کیا ہے: یہ دلیل ہے کہ میت کے لئے خصوصی دعا واجب ہے' اور تعمیم کافی نہیں' اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں: تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرنا رکن ہے لیکن اس کا ردیوں ہو جاتا ہے کہ اکثر احادیث صحیحہ عموم کے ساتھ وارد ہوئی ہیں' علاوہ ازیں وجوب دعا مطلقاً ہمارے نزدیک غیر ثابت ہے۔

اسنادی حیثیت: امام میرکؒ فرماتے ہیں: امام ابو داؤدؒ نے اس پر سکوت کیا ہے ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس کو امام ابن حبانؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔

## میت کے لیے دُعا

۱۶۷۵: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ ۔ (رواه احمد وابو داود والترمذی وابن ماجة)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳۴۴/۳ حدیث رقم ۱۰۲۴۔ وابن ماجه ۴۸۰/۱ حدیث رقم ۱۴۹۸۔ واحمد فی المسند ۳۶۸/۲۔

**ترجمہ** ''حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا فرماتے: اے

اللہ! ہمارے زندوں، ہمارے مردوں، ہمارے حاضرین، ہمارے غائبین، ہمارے چھوٹوں، ہمارے بڑوں، ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کی بخشش فرمایا۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو ہم میں سے موت دے تو اسے ایمان پر موت دے۔ اے اللہ! ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ رکھنا، اور ہمیں اس کے بعد فتنہ سے دو چار نہ کرنا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

**تشریح**: **قوله: قال: اللهم اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا و غائبنا۔۔۔و أنثانا:**

میرکؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کی تعمیم اور حدیث سابق میں تخصیص کی توجیہ یہ ہے کہ دو دعاؤں کو جمع کیا ہے میت کے لیے خاص ہے اور مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ میں کوئی مانع نہیں لیکن کلام ورود میں ہے اگر وارد ہو تو وجوب ہے۔

**وصغيرنا و كبيرنا:** ابن حجر کہتے ہیں چھوٹوں کے حق میں دعا درجات کی بلندی کے لیے ہے لیکن ابن حجرؒ کی اس بات کو یہ حدیث رد کر رہی ہے: **انه صلى على طفل لم يعمل خطيئة قط، فقال اللهم قه عذاب القبر و ضيقه۔**

ممکن ہے کہ "صغیر" اور "کبیر" سے مراد "نوجوان" اور بوڑھے ہوں اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا اور ابن الملکؒ وغیرہ نے تکلف کیا ہے تو رپشتی نے طحاوی سے نقل کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کو بچوں کے لئے استغفار کرنے کا کیا مطلب ہے، باوجودیکہ ان کا کوئی گناہ نہیں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا جائے کہ اُس کے ان گناہوں کو معاف کر دیا جائے جو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں کہ وہ بالغ ہونے کے بعد یہ گناہ کرے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ کرے گا تو بخش دیا جائے گا، ورنہ چھوٹا بچہ غیر مکلّف ہے، اس کو استغفار کی ضرورت نہیں اس بحث کی تحقیق اسی باب کی تیسری فصل کے آخر میں آئے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

طیبیؒ کہتے ہیں: قرائن اربعہ سے مقصود شمول واستیعاب ہے، لہٰذا ترکیب مفردات کی طرف دیکھتے ہوئے اس کو تخصیص پر محمول نہ کیا جائے گا گویا کہ یوں کہا گیا ہے: **اللّٰهم اغفر للمسلمين و المسلمات كلهم أجمعين** پس یہ کنایہ زبدیہ ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگلے جملہ **اللهم من احيته** ...... میں یکجا طور پر ذکر فرمایا ہے **قوله: اللهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام:** اوامر ونواہی کے لیے اطاعت وفرمانبرداری کرنا مراد ہے۔

**قوله: ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان:** "ایمان" سے مراد تصدیق قلبی ہے چونکہ اسوقت اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نافع نہیں ہے۔

**قوله: اللّٰهم لا تحرمنا اجره:** ابن حجرؒ کہتے ہیں: "لاتحرمنا" تاء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے۔ میں کہتا ہوں فتحہ ہی صحیح ہے۔ تصحیح شدہ نسخوں میں یہی (ضبط) موجود ہے اور قاموس میں ہے ضمہ ایک لغت ہے۔

**أجره:** ابن الملکؒ فرماتے ہیں ایمان کا اجر مراد ہے میں کہتا ہوں درست بات یہ ہے کہ میت کا ثواب مراد ہے یا مؤمن کا اجر مراد ہے۔

**قوله: ولا تفتنا بعده:** یعنی میت کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈالنا بلکہ ہمیں اسکی موت سے اپنی موت کے لئے نصیحت حاصل کرنے والا بنا اور ہمیں سفر کوچ کے لیے تیاری کرنے والا بنا۔

مصابیح میں "ولا تضلنا" الفاظ ہیں۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں بعض نسخوں میں "ولا تفتنا" ہے یعنی ہم پر ایمان کے بعد آزمائش نہ ڈالنا اور یہاں مراد وہ چیز ہے جو ایمان کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔

اسنادی حیثیت: امام میرکؒ فرماتے ہیں: امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور امام حاکمؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

۱۶۷۲: ورواه النسائی عَنْ اَبِی اِبْرَاهِیْمَ الْاَشْهَلِیِّ عَنْ ابیه وانتهت روایته عند قوله وَاُنْثَانَا وَفِی روایة ابی داؤد فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِیْمَانِ وَتَوَفَّهٗ عَلٰی اِسْلَامِ وَفِی اُخْرِهٖ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔

اخرجه ابو داؤد فی السنن ۵۳۹/۳ حدیث رقم ۳۲۰۱۔ والترمذی ۷۴۰/۴ حدیث رقم ۱۹۸۶۔

**ترجمہ**: اور امام نسائی نے ابو ابراہیم اشہلی عن ابیہ سے روایت کی ہے اور نسائی کی روایت "وانثانا" تک ختم ہو جاتی ہے اور امام ابو داؤد کی روایت میں ہے: "اسے ایمان پر زندہ رکھ اور اسلام پر وفات دے" اور ان کی اس حدیث کے آخر میں یوں ہے: "اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرنا۔"

**تشریح**: قوله: وفی روایةابی داود: فأحیه علی الإیمان و توفه علی الإسلام: اور ابن حجرؒ نے یہ کہہ کر راحت حاصل کر لی کہ ان دونوں کا معنی بھی صحیح ہے۔ اگرچہ وہ دونوں روایات مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں لیکن مصداق کے اعتبار سے متحد ہیں۔ گویا کہ انہوں نے طیبی کی تحقیق اور اگلی تدقیق کو سمجھا ہی نہیں ہے۔

امام طیبی کہتے ہیں: پہلی روایت میں اگر آپ کہیں کہ "ایمان" کو "اسلام" سے موخر کرنے کی ہے اور دوسری روایت میں اس کو مقدم کرنے کی کیا حکمت ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں تنبیہ ہے کہ ان دونوں کو دین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سلف صالحین کا مذہب ہے۔

اور ایک احتمال یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اسلام دو معنوں کے لیے وارد ہے ان میں سے ایک معنی اطاعت وفرمانبرداری، اور اعمال صالح کا اظہار ہے اور یہ ایمان کے علاوہ ہے اور پہلی روایت میں زندگی میں اعمال کو اور موت کے وقت ایمان کو ترجیح دینے کی طرف اشارہ ہے۔

میں کہتا ہوں عبارت میں مناقشہ ہے جو مخفی نہیں فرمایا یہ مرتبہ عوام کا ہے دوسرا معنی اخلاص عمل اور فرمانبرداری ہے اور یہ مرتبہ خواص کا ہے اور دوسری روایت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

یہ کہنا زیادہ واضح ہے کہ "اسلام" ایمانی ثمرات یعنی اقوال، افعال اور احوال کا نام ہے پس حالت حیات کے مناسب تکالیف اثقال کا قیام ہے اور "ایمان" حقیقت میں تصدیق علی وجہ التحقیق کا نام ہے پس حالت ممات کے مناسب حال یہی ہے چونکہ یہ ارکان اسلام کی بجا آوری سے عاجز ہے و اللّٰه أعلم بحقیقة المرام"۔

پس مشہور روایت ہی اعلیٰ وعمدہ ہے اور دوسری روایت رواۃ کے تصرفات کا نتیجہ ہے جو رواۃ سے نسیاناً ہوئے ہیں یا اس زعم کی بنا پر کہ تقدم وتاخر میں کوئی فرق نہیں اور بالمعنیٰ نقل جائز ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ: فأحيه على الإيمان میں ''ایمان'' سے مراد اس کے توابع یعنی ارکان ہیں ''وتوفه على الإسلام'' میں ''اسلام'' سے مراد انقیاد و تسلیم ہے کیونکہ موت مقدمہ ہے (اس دن کا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:)۔ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ [الشعراء: ۸۸-۸۹] ''جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)''۔ ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [النساء: ۱۷۶] ''اور خدا ہر چیز سے پاک ہے''

## آپ ﷺ کا میّت کے لیے مغفرت و رحمت کی دُعا کرنا

۱۶۷۷: وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جَوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

[رواه ابو داود وابن ماجة]

اخرجه ابو داؤد في السنن ۵۴۰/۳ حديث رقم ۳۲۰۲۔ وابن ماجه ۴۸۰/۱ حديث رقم ۱۴۹۹۔

**ترجمہ**: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے ساتھ ایک مسلمان شخص پر نماز پڑھی۔ پس میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے اے اللہ فلان ابن فلان (یعنی فلاں کا بیٹا فلاں) تیری امان میں ہے اس لیے کہ تجھ پر ایمان رکھتا تھا اور قرآن کو چنگل مار کر پکڑنے والا ہے۔ (مضبوطی سے پکڑنے والا ہے) کیونکہ وہ امن دینے والا ہے اس کو قبر کے فتنہ سے بچا (یعنی قبر کے عذاب سے) اور آگ کے عذاب سے۔ تو وفا والا ہے یعنی جو بندوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہے۔ تو پورا کرتا ہے اور تو حق والا ہے جو کہتا ہے پورا کرتا ہے اے اللہ تو اس کی بخشش کر دے اور اس پر رحم فرما۔ تحقیق تو بخشنے والا مہربان ہے' اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

**تشریح**: قوله: اللهم ان فلان بن فلان فى ذمتك: یعنی وہ تیری امان میں ہے اس لیے کہ تجھ پر ایمان رکھتا ہے۔

قوله: وحبل جوارك: جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے کہا گیا ہے کہ یہ عطف تفسیری ہے بعض کا کہنا ہے کہ ''حبل'' سے مراد عہد ہے یعنی تیری حفاظت میں اور تیری طاعت کے عہد میں ہے۔

بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے: اى فى سبيل قربك' یعنی تیری قربت کے راستے میں ہے اور وہ ایمان ہے اظہر یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''قرآن کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ''یعنی چنگل مارو اللہ کی کتاب کے ساتھ'' اور جواز کے لفظ سے مراد قرآن کریم ہے اور ''جوار'' سے مراد ''امان'' ہے اور اضافت بیانیہ ہے یعنی وہ رسّی جس کو مضبوطی سے تھامنا امن و امان' اسلام و ایمان' معرفت و اتقان اور اس کے علاوہ دیگر احسان کے مراتب اور منازل جنت کی مورث ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقد استمسك بالعروة الوثقى الا